انارکلی، مخلص صاحب اور ہم نیازمند

نیازمندان لاہور

دسمبر 1932ء کے رسالہ ساقی میں ''انارکلی پر ایک نظر'' کے عنوان سے ''ایک مخلص کے قلم سے'' ایک مضمون چھپا ہے جو بوجوہ بے حد دل چسپ ہے۔ مضمون کا رقبہ ساڑھے آٹھ صفحے ہے لیکن فی مربع میل کے حساب سے خیالات کی مقدار سائبریا کی آبادی سے زیادہ نہیں۔ جہاں تک بدگوئی کا تعلق ہے مضمون نگار صاحب ہر سطر میں گز گز بھر اچھلے پڑتے ہیں لیکن جہاں تک تنقید کا تعلق ہے وسعت ظرف چلو بھر سے بھی زیادہ نہیں اور چلو بھی ایسا جس میں وہ خود باوجود اپنی سبک خیالی کے ڈوب مرنے سے قاصر ہیں۔

تو پہلے بدگوئی کو لیجئے کیونکہ مخلص صاحب نے اپنا زور قلم زیادہ تر اسی صنف ادب یعنی بے ادبی پر صرف کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انارکلی پڑھنے کے ساتھ ہی مخلص صاحب کو بدہضمی کی شکایت لاحق ہوگئی۔ چنانچہ ان کی بے قرار روح سے طرح طرح کی کریہہ آوازیں نکلتی ہیں۔ کہتے ہیں: انارکلی پڑھ کر بڑی مایوسی ہوئی۔ انارکلی کی موت سے زیادہ خود تاج صاحب کی حالت پر رونا آتا ہے۔ وہ بجائے مبارک باد کے کسی اور بات کے مستحق ہیں۔ ہم دل سے چاہتے ہیں کہ تاج صاحب آئندہ اس سفاکی سے لٹریچر کا خون نہ بہائیں تو بڑا احسان ہوگا بلکہ بہتر تو یہی ہے کہ وہ آئندہ ذمہ دار لٹریچر سے کوئی واسطہ نہ رکھیں، انارکلی کا ڈرامہ تو اتنا بھی بھاری بھرکم نہیں جو پڑھے لکھے تو درکنار معمولی واقفیت کے آدمی کو ہی بھائے یا اس پر رعب ڈال سکے اور تاج صاحب کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ فوراً اسے دریا برد کر دیں۔

Scanned with CamScanner

جب ہم نے یہ الفاظ پڑھے تو خیال آیا دہلی کسی دوست کو تار بھیجیں کہ کسی حکیم سے مشورہ کر کے مخلص صاحب کو ایک ہلکا سا جلاب دے دیں تا کہ یہ قراقر رفع ہو جائے اور انہیں ہدایت کریں کہ آئندہ برس دو برس تک کے لئے اپنی ادبی غذا ذرا ہلکی رکھیں مثلاً مولانا اسمٰعیل میرٹھی مرحوم کی نفیس یا مولانا حسن نظامی کا روزنامچہ بس ایسی ایسی چیزیں پڑھ لیا کریں کیونکہ ان کا معدہ اس سے زیادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جب ذرا بڑے ہو جائیں گے تو کچھ تھوڑا بہت پڑھ لیں گے تو پھر ٹریجڈی اور ٹریجڈی کی تنقید سے بھی شوق فرما لیں۔ فی الحال انہیں مولانا راشد الخیری کے ناول ہی پڑھتے رہنا چاہیے کیونکہ وہ ایسے ہی نحیف دماغ کے لئے لکھے گئے ہیں۔

لیکن پھر خیال آیا کہ اس سے ہونہار بچوں کی دل شکنی ہو گی اب تو ماشاء اللہ اہل زباں بھی سکولوں کالجوں میں داخل ہونے لگے ہیں اور مذکر مونث کے جھگڑوں کو چھوڑ کر نقد و تبصرہ کے میدان میں زور آزمائی کرنے لگے ہیں۔ ذرا غور سے دیکھیں شاید کوئی کام کی بات کہنا سیکھ گئے ہوں۔ یوں تو ''اہل زباں'' کی پت جھڑ شروع ہو کر ختم بھی ہونے کو آئی اور زبان کو ہانکتے ہانکتے ادب کی دم میں نمدہ بھی باندھ گئے لیکن شاید پھر بھی کسی ہونہار مضمون نگار کی دم میں کہیں کوئی چکنا پات لگا ہو۔ اس خیال سے مضمون کو دوبارہ پڑھا تو معلوم ہوا کہ جہاں مخلص صاحب نے دس بارہ جگہ اپنی جہالت اور بداخلاقی کا ثبوت دیا ہے وہاں بیس تیس جگہ اپنی علمیت بھی ضرور جتائی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا ساختہ علم ان کی بے ساختہ جہالت سے کہیں زیادہ دلچسپ ہے۔ لیکن مخلص صاحب کی ان خصوصیات کا پیش کرنا کچھ آسان کام نہیں ان کے مضمون میں خیالات کے موتی بکھرے پڑے ہیں۔ (زور 'بکھرے' پر ہے موتی پر نہیں۔ دراصل موتی کی جگہ ایک اور لفظ سوچا تھا لیکن استعمال اس لئے نہیں کیا کہ ''اہل زبان'' کہیں گے کہ محاورہ غلط ہو گیا) ان موتیوں کو چن کر یکجا کرنے کے لئے اس مضمون کی بھول بھلیاں میں کئی دفعہ گھومنا پڑتا ہے کیونکہ ژولیدہ بیانی ایسے نقادوں کی خاص صفت ہے، مثلاً فرماتے ہیں:

''انارکلی۔۔۔ تین ایکٹ کا ایک موضوعی (سب جیکٹو) ڈراما ہے۔ جسے غیر اصطلاحی زبان میں یوں سمجھنا چاہیے کہ اس تصنیف میں تاج صاحب آنکھوں دیکھی نہیں بلکہ من مانی

پدماوت سنائیں گے۔''

اب اس فقرے کو کوئی کیا کرے۔ اتنی فرصت کہاں کہ دہلی جا کر مخلص صاحب کے دارالمطالعہ کے دروازے پر دستک دیں اور وہ جھروکے سے جو جھانکیں تو ہم اتنا پوچھیں کہ حضرت سب جیکٹو ڈراما دہلی کا محاورہ ہے یا لکھنو کا؟ کیونکہ الفاظ گو انگریزی ہیں لیکن انگریزی فن تنقید اس اصطلاح سے محض ناواقف ہے۔ اس اصطلاح کی جو تصریح غیر اصطلاحی زبان میں مخلص صاحب نے ہم جاہلوں کے فائدے کے لئے کر رکھی ہے، اس سے بھی نہ کھلا کہ یہ دریافت کیا ہے، کب ہوئی اور اس کا کولمبس کون ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخلص صاحب نے شکار پور کے سفر کے دوران میں وہیلر کے بکسٹال سے ڈرامہ پر کوئی کتاب لے کر پڑھ لی تھی جس سے ان کی جہالت میں اس قدر خوش گوار اضافہ ہوا کہ وہ اسے علم سمجھنے لگ گئے۔

غالباً اسی کتاب مصنفہ لال بجھکڑ سے مخلص صاحب پر یہ بھی انکشاف ہوا کہ:

''(انارکلی) ادب کی بنیادی تقسیم یعنی شاعری، فکشن اور ڈرامے کی آخری صنف کی حیثیت سے پیش ہوئی ہے بلکہ یہ کہئے کہ اس صنف میں بھی کتاب نسبتاً ایک ایسی اہم شق یعنی ٹریجڈی کی حامل ہے جسے انسان کی دکھیاری زندگی کا نمونہ عبرت ہونا چاہیے۔''

مطلب صرف اتنا ہے کہ انارکلی ایک ٹریجڈی ہے لیکن یہ ظاہر کرنا بھی مقصود تھا کہ اس کے علاوہ بھی ہم بہت کچھ جانتے ہیں اور اس اظہار علم کے شوق میں بات ایسی فرسودہ اور بے معنی کہی کہ عطارد گوید کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ خود اسی مضمون میں مخلص صاحب نے بڑے مربیانہ انداز میں حضرت آزاد مرحوم کی ایک تحریر کا نمونہ پیش کیا ہے اور اسے خوب سراہا ہے۔ ہم علامہ مخلص صاحب سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر ادب کی بنیادی تقسیم وہی ہے جسے انہوں نے مندرجہ بالا اقتباس میں یوں بھگار کر پیش کیا ہے تو وہ خود ہی بتائیں کہ آزاد کی یہ تحریر کس صنف میں شامل ہے۔ خواجہ حسن نظامی کا ''سی پارۂ دل'' کس خانے میں ڈالئے گا۔ غالب کے ''اردوئے معلیٰ'' کو کیا قرار دیجئے گا۔ آپ کی پڑھی ہوئی کتابوں میں سے یہی مثالیں کافی ہیں۔

آگے چل کر اعتراف کرتے ہیں کہ انارکلی کا قصہ خود تاج صاحب کے قول کے

Scanned with CamScanner

مطابق ایک بے بنیاد چیز ہے لیکن اعتراض فرماتے ہیں کہ مصنف ڈرامہ نے سرفہرست ہی میں انارکلی کا یہ واقعہ 1599ء کا لکھا ہے جبکہ اکبر کی عمر چھپن سال تھی اور متحیر ہوتے ہیں کہ اکبر جس نے جوانی میں ہیمو بقال کو نہ مارا وہ چھپن برس کی عمر میں انارکلی کو کیونکر مروا سکتا ہے۔ اس استدلال سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہی کہ قصہ بے بنیاد ہے پھر نہ معلوم مخلص صاحب تاج صاحب کی تائید کر رہے ہیں یا تردید؟

بر سبیل تذکرہ ہندوستان کے تمام ججوں کو یہ بات نوٹ کر لینی چاہیے کہ اگر ان کے سامنے کوئی چھپن برس کا شخص قتل کے الزام میں گرفتار ہو کر پیش ہو تو اس سے پہلی بات یہ پوچھیں کہ ''کیوں بے تو نے جوانی میں ہیموں بقال کو مارا تھا؟'' اگر جواب نفی میں ہو تو اسے رہا کر دیں۔

ان مثالوں سے میں قارئین کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مخلص صاحب کے مضمون کو سمجھنے کے لئے باقاعدہ اغلاط نامہ مرتب کر کے ساتھ رکھنا پڑا۔ کئی فقروں کی نحوی ترکیب کرنی پڑی۔ کئی پیراگرافوں کو از سرنو ترتیب دینا پڑا کئی فقروں کے معنے جوتشیوں سے پوچھنے پڑے اور اس دوڑ دھوپ کے بعد مطلب یہ وصول ہوا کہ مخلص صاحب کو بہ قول ان کے ''خلش'' تین چیزوں سے ہوتی ہے:

(ا) فرماتے ہیں: اکبر کے متعلق میں نے پہلے بھی کہا اور اب بھی کھلم کھلا کہتا ہوں (مضمون کا رقبہ اسی قسم کی تکرار کا ممنون احسان ہے) کہ انارکلی لکھ کر آپ نے اس کی باعظمت سیرت تباہ کی ہے۔

اس سلسلے میں مخلص صاحب نے پھر اپنی پریشاں خیالی کے کئی ثبوت دیئے ہیں۔ ایک طرف یہ فرماتے ہیں کہ ''اکبر بادشاہ کے نام کے ساتھ ہی جو تصویر ہندوستان کے بچے بچے کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے وہ آپ کے اکبر والے کردار سے بالکل نہیں ملتی۔'' جس کا مطلب ہم یہ سمجھے کہ مخلص صاحب کے نزدیک ڈرامے کا اکبر تاریخ کے اکبر سے مختلف ہے (اس کا جواب مختصراً تو یہ ہو سکتا تھا کہ ڈرامہ نویس یا کوئی بھی انشا پرداز اس بات کا حق رکھتا ہے کہ کسی تاریخی شخصیت کو جس طرح چاہے پیش کرے اگر وہ تاریخ کے مطابق نہ ہو تو آپ اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کو مورخ کی حیثیت سے کوئی درجہ نہ

Scanned with CamScanner

ملنا چاہیے۔ اس کی انشا پردازی پر کوئی حرف نہیں آ سکتا۔ علم و ادب کی تاریخ میں آپ کو کئی مثالیں اس بات کی ملیں گی کہ ایک ہی تاریخی شخص کو مختلف انشا پردازوں نے متباین اندازوں میں پیش کیا لیکن ان کی ادبی حیثیت کو اس تباین سے کوئی صدمہ نہ پہنچا لیکن یہ اصول ذرا مطالعے کے بعد سمجھ میں آتا ہے)

پھر آپ فرماتے ہیں:

''ڈرامہ نگار کی تعریف یہی ہے کہ وہ جیتی جاگتی ہستیاں پیدا کرے اور کبھی بھی کوئی بات ان میں خلاف فطرت نہ ہو۔''

مخلص صاحب یہ دوسری بات کہنے کے ساتھ ہی بھول بھی گئے۔ یہ فقرہ جو کہیں سے سن پایا تھا جوں کا توں اپنے مضمون میں رکھ دیا لیکن اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اس معیار پر اکبر کے کیریکٹر کو پرکھ کر دکھاتے اور ثابت کرتے کہ فلاں بات جو اکبر نے کہی یا کی وہ انسانی فطرت کے منافی ہے۔ اور بجز جنات کی امداد کے ظہور میں نہیں آ سکتی۔ جب یہاں مخلص صاحب نے خود ہی ہتھیار ڈال دئے تو ہم بھی ان کی جان بخشی کئے دیتے ہیں اور دنیا کو شاہد ٹھہراتے ہیں کہ ہم باوجود نوجوان ہونے کے ہیموں بقال پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔

یہ خلاف فطرت والی بات مخلص صاحب نے محض رعب گانٹھنے کو کہی تھی اصل مطلب ان کا وہی ہے کہ تاریخ کا اکبر بہت شاندار ہے اور ڈرامے کا اکبر ظالم اور سفاک سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اس کے جواب میں ہم مخلص صاحب کی خدمت میں یہی مخلصانہ مشورہ پیش کرتے ہیں کہ وہ دس بارہ سال تک روزانہ انارکلی کی تلاوت فرماتے رہیں۔ ممکن ہے اس کے بعد موٹے موٹے نکات ان پر واضح ہو جائیں۔ اگر اسے پڑھ کر ان کی آنکھوں کے سامنے اکبر کی یہ تصویر نہیں کھنچتی تو ایک عالی وقار علم دوست روشن دماغ شہنشاہ جو ہر وقت ہندوستان کی عظمت کے خواب دیکھتا رہتا ہے اور جو ان خوابوں کی تعبیر کے لئے ہر وقت کوشاں رہتا ہے۔ ایک نوجوان میں جو اس شان دار سلطنت کا ولی عہد ہے کمزوری یا بے راہروی کے ذرا سے آثار بھی پا کر اس قدر بیقرار و پریشان ہو جاتا ہے اور جہاں بانی کی اہم ذمہ داریوں کو اس درجہ محسوس کرتا ہے کہ اپنے پدرانہ جذبات کا خون کر لینے سے بھی نہیں ہچکچاتا۔ اگر مخلص صاحب کی آنکھوں کے سامنے یہ تصویر نہیں کھنچتی تو چشمہ آفتاب

Scanned with CamScanner

راچہ گناہ۔ اگر اب بھی مخلص صاحب کو ڈرامے کا اکبر محض ایک ظالم اور سفاک بادشاہ معلوم ہوتا ہے تو سوائے اس کے ان کا کیا علاج ہے کہ کوئی نیک دل انسان اپنی زندگی ان کی اصلاح کے لئے وقف کر دے خواہ مرتے وقت صرف یہ تسکین اپنے ساتھ لے جائے کہ انما الاعمال بالنیات۔ اگر ادب کا ذوق نہ ہو، استفادے کی قوت نہ ہو، احساسات میں بیداری نہ ہو، دماغ میں روشنی نہ ہو تو مبادیات ڈرامہ کے متعلق کسی سڑی بسی کتاب میں چند فقرے پڑھ لینے سے تنقید کی قابلیت پیدا نہیں ہوتی۔

باقی اس قسم کے اعتراضات کہ فلاں باندی کی زبانی مغل اعظم کو صلواتیں سنوائی ہیں۔ فلاں کنیز کی زبانی سلیم کی مٹی پلید کرائی ہے۔ صرف ریختی لکھنے کے لئے مسالہ مہیا کر سکتے ہیں۔ تنقید سے ان کو کوئی سروکار نہیں۔ ایسے اعتراضات نہ صرف انتہا درجے کی ادب ناشناسی بلکہ انتہا درجے کی کم فہمی کی دلیل ہیں۔ اکبر اور سلیم تو نہایت معمولی انسان ہیں اگر آپ بلاتشبیہہ کسی پیغمبر کا قصہ بھی لکھیں تو اس میں بھی یہ ذکر ضرور آئے گا کہ فلاں شخص نے ان کو پتھر مارے فلاں نے ان سے یہ بدسلوکی کی۔ حتیٰ کہ بعض نے انہیں سولی پر لٹکا دیا اور پھر بھی ان کا مضحکہ اڑاتے رہے پھر اگر آپ پر کوئی اعتراض کرے کہ آپ نے معاذ اللہ فلاں پیغمبر کی توہین کرائی تو بتایئے کہ آپ اس شخص کی ذہانت کے رخ انور پر ایک تھپڑ رسید کرنے کے سوا اور کیا کریں گے۔ مخلص صاحب کی خدمت میں صرف یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ حضرت آپ ایک آدھ کتاب ابھی اور پڑھ لیجئے پھر تنقید نگاری بھی کر لیجئے گا آپ کا ہاتھ کس نے روکا ہے؟ لیکن اس نقادی میں بھی آپ کو کیا مزہ آئے گا۔ کہ ہر مضمون کے بعد آپ خود ہی موضوع تنقید بن جائیں۔

ایک بات پڑھ کر ہمیں ہنسی بھی آئی اور رونا بھی آیا فرماتے ہیں:

> ''میں اپنی تو یہ کہتا ہوں کہ انارکلی کا ظاہری حسن دیکھ کر بڑی امیدیں بندھی تھیں۔ سوچتا تھا کہ واقعی یہ ڈرامہ مغلئی شان و تجمل کا ایک سہانا خواب ہوگا جس میں شاہان سلف کے سفر و حضر کے حسین مناظر اس طرح دکھائے گئے ہوں گے کہ بسنت رت ہے۔ اکبر بادشاہ سیر و شکار میں ہیں۔ سینکڑوں ہاتھی گھوڑے اور ہزاروں خلق خدا کا لاؤ

لشکر رکاب میں ہے۔ گویا جنگل میں منگل ہو رہا ہے۔۔۔ دو آشیانہ منزل (جھروکہ) سے لگا لگا دیوان خانہ عام ہے جس کے صحن کے بیچوں بیچ (۴۰) گز طولانی ستون پر آکاش دیا رات میں دور دور روشنی پہنچاتا ہے۔۔۔۔ اچھا یہ چیز تاج صاحب کی سمجھ میں نہ آئی تھی یا اس کا موقع نہ تھا تو اکبری سلطنت کا حسین بازو ہی نورتن سے ایسا سج دیتے کہ سب دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے۔ اگر اس کا اہتمام بھی تاج صاحب کے بس کا نہ تھا تو جشن نوروز کے بیان میں کم سے کم مینا بازار کی پیاری تصویر کھینچ کے یہ رنگ تو دکھا دیا ہوتا کہ ملک تدبر کے بادشاہ اکبر اعظم نے اپنی خداداد طبیعت سے اس میں کیا ندرت پیدا کی۔۔۔ یعنی یہی کہ بادشاہ امرا کو سلطنت کا رکن رکین جانتا تھا۔ اور انہیں اس طرح شیر و شکر رکھنا چاہتا تھا کہ ایک دوسرے کی سنگت سے مزہ بڑھے۔۔۔۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خود دار امرا باہم کھٹک بھی جاتے۔ جہاں یہ صورت پیش آئی اور بادشاہ نے رشتہ ناطہ کر کے دونوں گھرانوں کو ایک کیا۔''

اب قارئین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ مخلص صاحب ڈرامے کو سمجھنے کے کس حد تک اہل ہیں۔ تاج صاحب تو ڈرامہ انارکلی کا لکھ رہے ہیں کہ اس کنیز کا حسرت ناک انجام کیونکر ہو؟ لیکن مخلص صاحب کو یہی افسوس رہا کہ تاج صاحب نے ان کو چالیس گز طولانی ستون کیوں نہیں دکھایا۔ مخلص صاحب کو خود بھی اس بات کی نامعقولیت سوجھ گئی چنانچہ دبی دبی زبان میں فرماتے ہیں:

''اچھا یہ چیز تاج صاحب کی سمجھ میں نہ آئی تھی یا اس کا موقع نہ تھا تو۔۔۔۔''

برخوردار بات یہی ہے کہ اس کا موقع نہ تھا۔ سمجھ میں تو آپ کی آ گیا لیکن ہٹ آپ کی ویسی ہی قائم ہے پھر بھی کہے جاتے ہیں کہ اچھا یہ نہیں تو نورتن ہی دکھا دیا ہوتا۔ اچھا یہ نہیں تو مینا بازار ہی دکھا دیا ہوتا۔ اب اس بچپنے کا علاج۔ مطلب مخلص صاحب کا یہ ہے کہ تاج صاحب انارکلی کا قصہ تو تھوڑی دیر کو بند کر دیتے اور مخلص صاحب کو ایک ایسا

Scanned with CamScanner

سین دکھا دیتے جس میں اکبر امرا کے لڑکے لڑکیوں کے رشتے کراتے نظر آتے۔ کوئی تاج صاحب سے پوچھتا کہ حضرت یہ کیا دخل در معقولات ہے تو تاج صاحب جواب میں کہتے کہ قصور انارکلی کا سہی لیکن اکبر کی خوبیاں اس تفصیل سے دکھانا بہر حال ثواب کا کام ہے۔ اگر ڈرامہ اسی اصول پر لکھا جاتا ہے تو تاج صاحب کو چاہیے کہ اگلے ایڈیشن میں ایک آدھ سین غرناطہ کا بھی دکھا دیں کیونکہ اس کی داستان بھی تو آخر اسلامی کلچر کی علمبردار ہے۔ اگر غرناطہ بہت دور ہے تو کم از کم توزک بابری کا ذکر ضرور ہونا چاہیے۔ کیونکہ بہر حال اکبر کا رشتہ دار تھا اور بقول مخلص صاحب وہ ''بزرگ رفتگاں'' میں سے تھا۔ آخر میں ایک سین آل انڈیا مغل کانفرنس کا بھی دکھا دیا جائے جو حال ہی میں قائم ہوئی ہے تو اور بھی چار چاند لگ جائیں گے۔ مخلص صاحب کو ''تاریخی کلچر'' کا درد تو بہت ہے لیکن ان کا مذاق ایگریکلچر سے آگے بڑھنے نہیں پاتا۔

(۲) دوسرا اعتراض مخلص صاحب کا یہ ہے کہ تاج صاحب کی قوت مشاہدہ بہت کمزور ہے۔ علامت کے طور پر آپ نے تاج صاحب کا ایک فقرہ نقل کیا ہے:

''موسم بہار کی ایک دوپہر۔ ظہر کی نماز ادا ہوئے ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب وقت ہو چکا ہے۔''

اور اعتراض فرماتے ہیں کہ اس فقرے میں بے ضرورت لفاظی ہے فقرہ یوں ہونا چاہیے تھا:

''بہار کا موسم سہ پہر کا وقت ہے۔''

دوپہر کے لفظ سے جو دھوپ کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور ظہر کی نماز کے ذکر سے جو ایک مسلمان گھرانے کی مصروفیات کی طرف ضمناً اشارہ ہے وہ آپ نے بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔ وہ چیز جسے انگریزی میں Atmosphere کہتے ہیں (معنی کسی پڑھے لکھے سے پوچھئے۔ ڈکشنری میں دیکھئے، تو شاید واضح طور پر سمجھ میں نہ آئیں) اس کی طرف سے تو مخلص صاحب آپ نے دماغ کے دروازے بالکل بند کر رکھے ہیں۔

مگر جس فقرے کو وہ بقول خود ابھار کے دکھانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے:

''ستونوں اور محرابوں کے سایے طویل ہونے شروع ہو گئے۔''

Scanned with CamScanner

فرماتے ہیں: ''یہ ایک کھلی بات ہے کہ زوال کے بعد سایہ ڈھلنے لگتا ہے اور ظہر کی نماز ایک حد تک سایہ طویل ہونے پر ہی ہوتی ہے لیکن آپ کا جدید مشاہدہ بتاتا ہے کہ نماز ظہر کے بعد ڈیڑھ گھنٹہ ہو جائے تو سائے طویل ہونے شروع ہوتے ہیں۔''

سایہ ڈھلنے اور سائے کے طویل ہونے میں جو فرق ہے وہ آپ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ جس ستون پر دھوپ پڑ رہی ہے جب اس کا سایہ ستون کی لمبائی سے بھی بڑھ جائے تو اس کو سایے کا طویل ہونا کہتے ہیں۔ دھوپ کے متعلق جس قدر مشاہدہ آپ کا ثابت ہوتا ہے وہ تو بجز بال سفید کرنے کے اور کسی کام نہ آئے گا۔

(۳) تیسرا اعتراض زبان کے متعلق ہے۔ اعتراض اول تو ایسے فقرے پر ہے ''تم خلیل موشیخو؟''، ''تو مضائقہ کیا ہے حضور؟'' وغیرہ وغیرہ۔ جو شخص ''اہل زبان'' ہو کر بھی یہ نہ سمجھے کہ مخاطب کے نام کو فقرے کے آخر میں رکھ دینے سے فقرے کا تیور کس حد تک بدل جاتا ہے اس کو کوئی غیر اہل زبان، بذریعہ تحریر تین سو میل کے فاصلے سے کیا سکھائے اور کس طرح سکھائے اور اہل زبان کو یہ کس طرح بتائے کہ اہل زبان ہونا اور بات ہے زبان دان ہونا اور بات ہے۔ اے کاش کوئی قادرالکلام شخص بلند آواز سے ان فقروں کو مخلص صاحب کے سامنے پڑھے اور مخلص صاحب کے چہرے کا مطالعہ کرتا جائے اور جب آٹھ دس دفعہ پڑھنے کے بعد اسے مخلص صاحب کے چہرے پر انشراح کی کوئی جھلک نظر آئے تو ہمیں فوراً اطلاع دے تاکہ ہم شکرانے کے دو نفل پڑھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ پرانی وضع کے ہندوستانی کھیلوں کے عادی ہو چکے ہیں وہ ان کی مصنوعی زبان اور مصنوعی طرز تحریر سے اس قدر مانوس ہیں کہ اس قسم کی جیتی جاگتی زبان انہیں تکلیف دہ طور پر انوکھی معلوم ہوتی ہے۔ شیکسپیئر نے بھی جب اس طرح کی جدت کی تھی تو لوگ اس پر یونہی معترض ہوئے تھے اور ایک بہت بڑے نقاد نے اس کے متعلق یہ کہا تھا کہ چھری اور کمبل جیسے الفاظ کو ڈرامے میں استعمال نہ کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ لوگوں کو ''خنجر اور رداء'' اور اسی صنف کے بلند آہنگ الفاظ کا چسکا پڑ گیا تھا اور جو مصنف اس تصنع سے گریز کرتا تھا وہ بہت بڑے گناہ کا مرتکب سمجھا جاتا ہے۔ مخلص صاحب تاریخ ادب سے واقف ہوتے تو عبرت پکڑتے لیکن دامن از کجا آرد کہ جامہ ندارد۔

Scanned with CamScanner

''پختہ حسن'' اور ''پہیکا آسمان'' وغیرہ کے متعلق مخلص صاحب نے صرف اتنا فرمایا کہ نئی ترکیبیں ہیں لیکن یہ نہ فرمایا کہ ان میں نقص کیا ہے۔ کوئی اعتراض کرتے تو جواب کی تکلیف بھی گوارا کر لی جاتی۔ فی الحال تو اتنا ہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ بجا ہے حضور یہ نئی ترکیبیں ہیں اور ان میں سے بعض مثلاً پختہ حسن صرف متبدیوں کے لئے نئی ہیں۔

دو محاوروں کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ان کا محل استعمال غلط ہے آخر مخلص صاحب اپنی حرکتوں پر اتر آئے۔ ہم بھی متعجب تھے کہ اہل زبان کی لکھی ہوئی تنقید ہو اور اس ہلدی کی گرہ یعنی ''محاورے'' کا تذکرہ نہ ہو جس کی بدولت یوپی کے کئی حضرات پنساری بن بیٹھے ہیں۔ تاج صاحب کا فقرہ ہے ''دنیا کی تو انارکلی انارکلی کہتے زبان خشک ہوئی جا رہی ہے۔ اور تجھے اتنی توفیق نہیں کہ جھوٹے منہ سے دو بول شکریے ہی کے کہہ دے''۔

مخلص صاحب کہتے ہیں ''جھوٹے منہ'' کا یہ محل استعمال نہیں ''یہاں پھوٹے منہ سے'' ہونا چاہیے تھا۔

اگر جناب مخلص صاحب نوراللغات کی ورق گردانی کی زحمت گوارا فرمائیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ جھوٹے منہ کے معنی ہیں۔ ظاہر داری سے اور نمائش سے۔ ڈرامے کا جو فقرہ اوپر نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا تو تیری تعریفیں کر رہی ہے اور تجھے اتنی بھی توفیق نہیں کہ ظاہر داری یا نمائش ہی کے طور پر دو بول شکریئے کے کہدے۔

''پھوٹے منہ'' کے معنی نوراللغات میں یوں لکھے ہیں ''(تحقیر سے)، خراب منہ سے، برے منہ بد دلی کے ساتھ۔'' تو سین میں جو ''تحقیر سے'' لکھا ہے اس سے مراد ہے کہ یہ محاورہ جس کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے اس کی تحقیر بھی مراد ہوتی ہے گویا مخلص صاحب کا اعتراض یہ ہے کہ انارکلی کی ماں اس موقع پر ایسا فقرہ کیوں نہیں کہتی جس سے انارکلی کی تحقیر کا پہلو بھی نکلے! یہ اعتراض محاورے کا اعتراض نہیں۔

دوسرا اعتراض سینچوں دار روزن پر ہے۔ ''سینچہ'' کے معنی نوراللغات میں یہ لکھے ہیں: ''چھوٹی سیخ'' لوہے کی چھوٹی سلاخ۔ ''سینچوں دار روزن'' لکھنے سے مصنف کی مراد یہی ہے کہ ایسا روزن جس میں لوہے کی چھوٹی سلاخیں لگی ہیں۔ اس لفظ کے استعمال سے روزن کے متعلق بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر بڑا تھا۔ اگر کسی بہت ہی چھوٹے روزن

Scanned with CamScanner

مثلاً کسی گڑیا کے گھر کے روزن کا ذکر ہو تو ممکن ہے وہاں سیخچہ کی بجائے سلائی کا لفظ استعمال کیا جائے اس وقت مخلص صاحب فرمائیں گے کہ سلائی سے تو سرمہ لگایا جاتا ہے۔

باقی الفاظ کے متعلق اطلاعاً عرض ہے کہ آپ کو شاید معلوم نہ ہو دہلی کے ایک مصنف ہوئے ہیں جو قلعے کی زبان لکھنے کے لئے مشہور تھے انہی کی ایک کتاب ہے "بزم آخر" پچھلے دنوں تو نایاب تھی اب چاندنی چوک کی کسی دکان سے ضرور مل جائے گی۔ کبھی شام کو ایڈورڈ پارک سے فراغت پا کر ادھر سے گزریئے تو ایک نسخہ خریدتے جایئے اس میں آپ کو گنگا جل کپڑا اور گوش پیچ کی گوٹ اور اسی قسم کے کئی اور الفاظ مل جائیں گے جن پر آپ یوں جاہلانہ معترض ہوئے ہیں۔ جو الفاظ وہاں نہ ملیں ان کے متعلق ابوالفضل کے آئین اکبری کا مطالعہ فرمایئے وہاں مل جائیں گے جو مغلیہ ڈرامہ لکھنے بیٹھتا ہے وہ ایسی مستند کتابوں کو ضرور دیکھ لیتا ہے۔ اے کاش جو لوگ تنقید لکھنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں وہ بھی اتنی تکلیف گوارا کر لیا کریں۔

اب آپ کے پاس صرف ایک ہی جواب رہ گیا ہے وہ یہ کہ ہم نور اللغات کو مستند مانتے ہیں نہ بزم آخر کو اگر یہ واقعہ ہے تو مخلص صاحب کو چاہیے پہلے اہل زبان آپس میں نپٹ لیں جب خود ان کا ایمان درست ہو جائے تو پھر باقی صوبوں میں بھی تبلیغ شروع کریں۔

تو درون در چہ کردی کہ برون خانہ آئی

یہ تمام ہست و بود ہے اس تنقید کی۔ قارئین نے دیکھ لیا کہ اس تنقیدی مضمون میں انارکلی کے اصل موضوع کو مخلص صاحب نے چھوا تک نہیں۔ محض ضمنی اور فروعی باتوں ہی میں الجھے رہے خود انارکلی کے کیریکٹر کے متعلق کچھ نہ فرمایا جو ڈرامے کی جان ہے اور جس کے اردگرد تمام واقعات و کوائف کی تنظیم کی گئی ہے۔ مناظر کی تقسیم کے متعلق کچھ نہ لکھا، واقعات کے تناسب کے متعلق کچھ نہ فرمایا، ٹریجڈی کی مختلف کیفیات کے زیر و بم کے بارے میں خاموش رہے۔ اردو ڈرامہ کی تاریخ کو پیش نظر رکھ کر یہ نہ فرمایا کہ انارکلی کا ڈرامہ کہاں تک رسمی ڈرامے کا ممنون ہے اور کہاں پرانی قیود کو توڑتا ہوا نظر آتا ہے اس بات پر بحث نہ کی کہ اگر یہ ڈرامہ سٹیج پر دکھایا جائے تو کیا دقتیں پیش آئیں گی۔ پیشہ ور سٹیج

Scanned with CamScanner

اس کو کہاں تک قبول کر سکتی ہے اور کیوں؟ کسی اور ٹریجڈی سے مقابلہ نہ کیا۔ یہ نہ ارشاد کیا کہ اردو ڈرامے کی موجودہ حالت کیا ہے اور اس میں انارکلی کس حد تک ترقی یا تنزل کا موجب ہوگا۔ کہا تو یہ کہا کہ اکبر بہت اچھا آدمی تھا۔ سایے دوپہر کے بعد ہی ڈھلنے لگ جاتے ہیں اور ہمارے ہاں سینچہ نہیں فلانچہ ہوتا ہے اور اپنے زعم میں سمجھ یہ رہے ہوں گے کہ ارسطو کے بعد اگر کسی نے ڈرامے کی تنقید لکھی ہے تو ہمیں نے لکھی ہے۔

اب صرف ایک بات کا ذکر باقی رہ گیا ہے اور چونکہ میں اس بات کو محض کنایۃً بیان کرنا چاہتا ہوں اس لئے ڈر ہے کہ مخلص صاحب کے پلے شاید نہ پڑے۔ تاج صاحب نے انارکلی کو مس حجاب اسماعیل کے نام ڈیڈیکیٹ کیا۔ چغتائی صاحب نے اپنی قلم کاری سے اس ڈرامے کی طباعت کو رونق بخشی۔ تاج صاحب اور مس حجاب اسماعیل یا تاج صاحب اور چغتائی صاحب کے باہمی مراسم مخلص صاحب کو معرض بحث میں نہ لانے چاہیے تھے۔ مخلص صاحب اور مخلص صاحب کی قماش کے ''نقادوں'' کو ذہنی اعتبار سے ابھی ہجونویسی کے درجے سے بالاتر ہونے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور ابھی انہیں یہ محسوس نہیں ہوا کہ اس طرح کا واسوختانہ چڑچڑا پن خود نقاد کے سفلہ پن کی دلیل ہوتا ہے۔ خصوصاً خواتین کا ذکر انہیں اس بے تکلفی سے نہ کرنا چاہیے جس سے شہدے پن کی بو آئے۔ یہ مس حجاب اسماعیل کی بدقسمتی ہے کہ وہ اپنی انشا پردازی کی وجہ سے اس زمرے میں شامل ہیں جس میں اصطلاحاً مخلص صاحب بھی قدم رکھتے ہیں لیکن مخلص صاحب کو اس پر فخر کرنا چاہیے، اسے اپنے عدم تربیت کے اظہار کے لئے ایک بہانہ نہ بنالینا چاہیے۔

مخلص صاحب کے مضمون کے ساتھ رسالہ ساقی کے ایڈیٹر نے ایک نوٹ لکھ کر چار دانگ عالم میں اس بات کا اعلان کر دیا ہے کہ ''مضمون نگار کی رائے سے ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔'' اور یوں سمجھ لیا ہے کہ وہ تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے لیکن شاہد جیسے تربیت یافتہ نوجوان کو اس امر کا احساس ہونا چاہیے کہ جس بداخلاقی کی طرف ہم نے آخری پیراگراف میں اشارہ کیا ہے اس کی اشاعت ایک دودمان عالیہ کے سپوت کو نہ کرنی چاہیے تھی۔ مخلص صاحب کی نقادانہ بدتمیزیوں سے ہم شاہد صاحب کو بری الذمہ سمجھنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن مخلص صاحب کا ''ذاتی کلچر'' شاہد صاحب کے دامن پر چند

Scanned with CamScanner

ایسے بدنما دھبے چھوڑ گیا ہے جو بے تعلقی کا ایک نوٹ لکھ دینے سے نہیں دھل سکتے۔
ہم اس مضمون کے کسی کھسیانے سے جواب کے لئے چشم براہ ہیں خواہ وہ جواب مخلص صاحب لکھیں یا شاہد صاحب یا دونوں کے دونوں میں سے کسی ایک کے کوئی ایک یا ایک سے زیادہ گمنام یا نامدار، استاد، شاگرد یا ہمنوا۔

Scanned with CamScanner